بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

نضر الله امرءًا سمع منا حديثًا فحفظه حتى يبلغه

ماهنامه

اشاعة الحديث

حضرو

محرم، صفر 1437ھ نومبر 2015ء

شمارہ نمبر
133

بانی
محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

- قرآن مجید پر اعتراضات اور ان کی حقیقت
- نا تمام بچے کی نمازِ جنازہ کا حکم
- اخلاق حسنہ کے خوگر بن جائیں
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اقتدار

مستقل سلسلے ‹ ○ احسن الحدیث ○ فقہ الحدیث ○ توضیح الاحکام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

ماہنامہ اشاعۃ الحدیث
حضرو

133

بانی
محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

جلد: 12 | محرم صفر 1437ھ ستمبر 2015ء | شمارہ: 9

مدیر: حافظ ندیم ظہیر

معاون مدیر: نصیر احمد کاشف

اس شمارے میں

احسن الحدیث	حافظ ندیم ظہیر	2
فقہ الحدیث	حافظ ندیم ظہیر	5
توضیح الاحکام	حافظ ندیم ظہیر	9
سنت کے سائے میں	حافظ فرحان الٰہی	12
انوار السنن	حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ	17
غیر اللہ سے دعا اور چند قرآنی سوالات	محمد صدیق رضا	26
ڈاکٹر اشرف جلالی اور جھوٹی روایت	نوید شوکت	27
قرآن مجید پر اعتراضات اور ان کی حقیقت	حافظ ندیم ظہیر	38
ظہور احمد کے تناقضات...... پر ایک نظر	ابو الحسن ابنالوی	48

قیمت

فی شمارہ 40 روپے
سالانہ 500 روپے
مع محصول ڈاک پاکستان

خط کتابت
مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد الاثری 0300-5288783 مقام اشاعت مکتبۃ الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک

احسن الحدیث

حافظ ندیم ظہیر

تفسیر سورۂ مائدہ

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓءَا بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴾

''اوران پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر کی تلاوت حق کے ساتھ کر، جب ان دونوں نے کچھ قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی (قربانی) قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ اس نے کہا: میں تجھے ضرور ہی قتل کر دوں گا۔ اس نے کہا: بلاشبہ اللہ متقی لوگوں ہی سے قبول کرتا ہے۔ اگر تو نے میری طرف اپنا ہاتھ اس لیے بڑھایا کہ مجھے قتل کرے تو میں ہرگز اپنا ہاتھ تیری طرف اس لیے بڑھانے والا نہیں کہ تجھے قتل کروں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا رب ہے، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ لے کر لوٹے، پھر تو آگ والوں میں سے ہو جائے گا اور یہی ظالموں کی جزا ہے۔'' (5/ المائدۃ: 29-27)

فقہ القرآن:

❊ ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ﴾ اس آیت کا ماقبل سے تعلق اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات پر تنبیہ ہے کہ بلاشبہ یہودیوں کا ظلم کرنا اور ان کا عہد و پیمان توڑنا ابن آدم کے اپنے بھائی پر ظلم کی طرح ہے، یعنی اے محمد (ﷺ)! اگر انھوں نے آپ کو غم پہنچایا ہے تو آپ سے پہلے انبیاء کو بھی قتل کیا ہے (اسی طرح) قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔ شر قدیم دور سے ہے، اور آپ انھیں یہ سچا قصہ یاد کرائیں۔ اس آیت میں اسلام کے مخالفین کو خاموش کرانا اور نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے۔ (الجامع لأحکام القرآن 408/7)

❊ امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ﴾ سے مراد قابیل

اور ہابیل ہیں، ان دونوں میں سے ایک کاشتکاری کرتا اور دوسرا ریوڑ پالتا تھا۔ ان میں سے ایک (قربانی کے لیے) اپنے مال کا بہترین حصہ لایا جبکہ دوسرا بیکار حصہ لے کر آیا، چنانچہ آگ آئی اور ہابیل کے حصے کو کھا گئی اور دوسرے کے حصے کو چھوڑ دیا تو اس نے حسد کی وجہ سے (ہابیل کو) کہا: میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ (تفسير ابن جرير 471/4 وسنده حسن)

اس آیت سے واضح کیا جا رہا ہے کہ یہود محض حسد کی بنا پر آپ کی دعوت و نبوت کے منکر ہو گئے تھے ورنہ تورات میں نبی کریم ﷺ کے بیان کردہ اوصاف کی وجہ سے وہ آپ کو اس طرح جانتے تھے جس طرح ہر شخص اپنی اولاد کو جانتا ہے۔

* ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ اعمال کی قبولیت میں اسے اصل کی حیثیت حاصل ہے، یعنی جو شرک و بدعت چھوڑ کر تقویٰ شعار بنے گا اسی کے اعمال قبول ہوں گے۔

ثابت بن اسلم البنانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: " اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ صَلَاةً ، اللّٰهُمَّ مِنِّي صِيَامَ يَوْمٍ ، اللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي حَسَنَةً ثُمَّ يَقُوْلُ: ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ اے اللہ! مجھ سے ایک نماز قبول فرما لے، اے اللہ! مجھ سے ایک دن کا روزہ قبول فرما لے، اے اللہ! میرے حق میں ایک نیکی لکھ دے، پھر آپ یہ آیت تلاوت کرتے: ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ "بلاشبہ اللہ متقی لوگوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔"

(المصنف لابن أبي شيبة 447/13 وسنده صحيح)

مطرف رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے قبولیتِ اعمال اور تقویٰ کی اہمیت عیاں ہو رہی ہے۔

* ﴿ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي... ﴾ تقویٰ شعار لوگ ہر قسم کی معصیت سے اپنا دامن بچا کر رکھتے ہیں، جیسا کہ ابن آدم (ہابیل) نے ﴿ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴾ "یقیناً میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔" کہہ کر اپنے آپ کو بچا لیا، کیونکہ اگر یہ بھی اپنے بھائی کے قتل کے درپے ہو جاتے تو اس گناہ میں برابر کے شریک ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر آپس میں

مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔'' (احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا:) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قاتل (کا تو جہنمی ہونا سمجھ میں آتا) ہے لیکن مقتول کا کیا جرم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کیونکہ اس کی خواہش بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کی تھی۔''

(صحيح البخاري:31)

* ﴿اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓءَاۡ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِکَ فَتَکُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ﴾ اس کی بہترین تفسیر درج ذیل حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''جس کسی نے اپنے بھائی کی عزت یا کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو وہ اس دن سے پہلے معاف کرا لے جس دن درہم و دینار نہیں ہوں گے۔ اگر اس (ظالم) کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کی مقدار میں اس سے لے لیا جائے گا، اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ ظالم کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔''

(صحيح البخاري:2449)

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ظلم سے ناحق قتل کیا جاتا ہے اس کا کچھ وبال آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر ضرور ہوتا ہے، کیونکہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے ناحق قتل کی طرح ڈالی۔'' (صحيح البخاري:3335، صحيح مسلم: 1677)

* ﴿وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ﴾
''اور یہی ظالموں کی جزا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی گناہ کی سزا اتنی جلدی نہیں دیتا جتنی جلدی ظلم اور قطع رحمی کی سزا دیتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ایسے آدمی کے لیے آخرت کا عذاب بھی باقی رکھتا ہے۔''

(صحيح، سنن أبي داود:4902، سنن ابن ماجه: 4211واللفظ له)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قابیل میں (مذکورہ حدیث میں بیان کردہ) دونوں باتیں جمع ہوگئیں۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

(تفسیر ابن کثیر 85/3 ط، الرسالۃ)

اضواء المصابیح

فقہ الحدیث

الفصل الثاني

۵۳۰) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((**اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ، وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَآءَ عَشْرَ سِنِيْنَ، فَاِذَا وَجَدَ الْمَآءَ فَلْيَمَسَّهُ بَشَرَهُ، فَاِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ.**)) رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهُ اِلٰى قَوْلِهٖ: ((عَشْرَ سِنِيْنَ)).

سیدنا ابوذر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ پاک مٹی مسلمان کی طہارت کا ذریعہ ہے، اگرچہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے، البتہ جب پانی میسر ہو تو اسے اپنے جسم پر ڈالو، کیونکہ یہ بہتر ہے۔'' اسے احمد، ترمذی، ابوداود نے روایت کیا اور نسائی نے بھی اسی طرح: ((عَشْرَ سِنِيْنَ)) کے الفاظ تک نقل کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن.

تخریج: مسند أحمد (٥/ ١٥٥ ح٢١٦٩٨ ، سنن الترمذي: ١٢٤ وقال: "حسن" ، سنن أبي داود: ٣٣٢ ، سنن النسائي ١/ ١٧١ ح ٣٢٣ وصححه ابن خزيمة: ٢٢٩٢ و ابن حبان: ١٣٠٨ ، ١٣٠٩ والحاكم ١/ ١٧٦ ، ١٧٧ ، ووافقه الذهبي .

فقہ الحدیث:

۱: پاک مٹی پانی کے قائم مقام ہے جب پانی نہ ملے تو اس سے تیمّم کر لینا چاہیے۔

۲: جس طرح ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اسی طرح پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اور جو ناقض وضو ہیں وہی ناقض تیمّم بھی ہیں۔

۳: ((عَشْرَ سِنِيْنَ)) سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر لمبی مدت تک پانی نہ ملے تو اس اثنا میں

تیمّم ہی سے نمازیں ادا کی جائیں گی۔

۴: پانی کی موجودگی میں بغیر کسی عذر کے تیمّم سے نماز نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ اصل حکم پانی سے وضو کر کے نماز ادا کرنے کا ہے۔

۵: امام نسائی رحمہ اللہ نے دیگر محدثین کے برعکس اس حدیث کو قدرے مختصر بیان کیا ہے جو قطعاً مضر نہیں۔

۵۳۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ: خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ ، فَأَصَابَ رَجُلاً مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ ، فَاحْتَلَمَ ، فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ: هَلْ تَجِدُوْنَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ؟ قَالُوْا: مَا نَجِدُلَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ ، فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أُخْبِرَ بِذٰلِكَ ، قَالَ: **((قَتَلُوْهُ، قَتَلَهُمُ اللّٰهُ، أَلاَّ سَأَلُوْا إِذَا لَمْ يَعْلَمُوْا، فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ، إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ، وَيُعَصِّبَ عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً، ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا، وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ.))** رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

سیدنا جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں نکلے تو ہم میں سے کسی آدمی کو پتھر لگ گیا جس سے اس کے سر میں زخم ہو گیا، پھر اسے احتلام (بھی) ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا تم سمجھتے ہو کہ میرے لیے تیمّم کرنے کی کوئی رخصت ہے؟ انھوں نے کہا: ہم تیرے لیے رخصت (کی کوئی دلیل) نہیں پاتے جبکہ تمھیں پانی پر قدرت حاصل ہے، چنانچہ اس نے غسل کر لیا تو مر گیا۔ جب ہم نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ کو اس (واقعہ) کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا: ''انھوں نے اسے قتل کر دیا ہے، اللہ انہیں ہلاک کرے، انھوں نے پوچھ کیوں نہیں لیا، جبکہ وہ جانتے بھی نہیں تھے کیونکہ لاعلمی کا علاج سوال کر لینے میں ہے۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ تیمّم کر لیتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا، پھر اس پر مسح کرتا اور (باقی) سارے جسم کو دھو لیتا۔'' اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: **إسناده ضعيف.**

تخریج: سنن أبي داود: ٣٣٦ ، سنن الدارقطني ١/ ٩٠ ح ٧١٩۔

الزبیر بن خریق کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔

فائدہ: اس مفہوم کی صحیح حدیث کے لیے دیکھئے آنے والی حدیث (۵۳۲) لیکن اس میں یہ اضافہ نہیں ہے کہ ''اس کے لیے یہی کافی تھا کہ تیمّم کر لیتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا، پھر اس پر مسح کرتا اور (باقی) سارے جسم کو دھو لیتا۔'' ان الفاظ کے علاوہ باقی حدیث ثابت ہے جس سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں: ۱: بغیر علم کے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

۲: بغیر علم کے دیے گئے فتویٰ کا وبال مفتی پر ہے۔ ۳: اگر کسی مسئلے کا علم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لینا چاہیے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ **فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴾ ''اگر تم نہیں جانتے تو ذکر والوں (اہل علم) سے پوچھ لو۔'' (سورة النحل: ٤٣)

۴: جہالت کے اندھیرے علم کے نور ہی سے چھٹتے ہیں۔

۵۳۲) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَهَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رِبَاحٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ .

ابن ماجہ نے اسے عطاء بن ابی رباح کے واسطے سے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح

تخریج: سنن ابن ماجه: ٥٧٢، المستدرك للحاكم ١/ ١٧٨، سنن أبي داود: ٣٣٧، و سنده صحيح۔

۵۳۳) وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: خَرَجَ رَجُلَان فِیْ سَفَرٍ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ، فَتَيَمَّمَا صَعِيْدًا طَيِّبًا، فَصَلَّيَا، ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِی الْوَقْتِ، فَاَعَادَ اَحَدُ هُمَا الصَّلٰوةَ بِوُضُوْءٍ، وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ، ثُمَّ اَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَا ذَالِكَ، فَقَالَ لِلَّذِیْ لَمْ يُعِدْ: ((**اَصَبْتَ السُّنَّةَ، وَاَجْزَاَتْكَ صَلَاتُكَ**)) وَقَالَ لِلَّذِیْ تَوَضَّأَ وَاَعَادَ: ((**لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ**)). رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهُ.

سیدنا ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ دو آدمی ایک سفر میں نکلے، نماز کا وقت ہو گیا اور ان دونوں کے پاس پانی نہیں تھا، لہٰذا انھوں نے پاک مٹی سے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی،

پھر (نماز کے) وقت ہی میں انھیں پانی مل گیا تو ایک نے وضو کر کے نماز لوٹا لی، جبکہ دوسرے نے نہیں لوٹائی، پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور (اپنا) یہ واقعہ بیان کیا، جس شخص نے نماز نہیں لوٹائی اس سے آپ نے فرمایا: ''تم نے سنت پر عمل کیا اور تیری نماز تجھے کافی ہے۔'' اور جس نے وضو کر کے نماز لوٹائی اس سے آپ نے فرمایا: ''تمھارے لیے دہرا اجر ہے۔'' اسے ابوداود، دارمی اور نسائی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: إسناده حسن.

تخریج: سنن أبي داود: ٣٣٨، سنن الدارمي ١/ ١٩٠ ح ٧٥٠، سنن النسائي ١/ ٢٣ ح ٤٣٣۔

فقه الحدیث:

ا: پانی میسر نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کفایت کر جاتی ہے، دہرانے کی ضرورت نہیں، اگرچہ نماز کے وقت ہی میں پانی مل جائے، جیسا کہ حدیث سے واضح ہو رہا ہے۔

۲: جس شخص نے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی، اُس کی اِس دہری مشقت کی وجہ سے اُسے ''دہرے اجر'' کی نوید سنائی گئی ہے۔

۳: واضح نص نہ ہونے کی بنا پر اجتہاد کیا جا سکتا ہے، لیکن نصوصِ کتاب وسنت کی موجودگی میں کوئی اجتہاد نہیں، اسی طرح دلائل واضح ہونے کے بعد وہ اجتہاد کالعدم قرار پائے گا، لہٰذا اب اس سلسلے میں صحابی کے اجتہاد کی بجائے نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل ہوگا۔

۵۳۴) وَقَدْ رَوٰی هُوَ وَاَبُوْدَاوُدَ اَيْضًا عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلاً.

نسائی اور ابوداود نے یہ حدیث عطاء بن یسار سے مرسلاً روایت کی ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن.

تخریج: سنن أبي داود: ٣٣٩، اس کے حسن لذاتہ شاہد کے لیے دیکھئے حدیث سابق: ۵۳۳۔

نا تمام بچے کی نمازِ جنازہ کا حکم

سوال اگر بچہ ماں کے پیٹ ہی میں فوت ہو جائے تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر پیدائش کے وقت چیخ مارے تب جنازہ ہوگا ورنہ نہیں، براہِ مہربانی اس کی بھی وضاحت کر دیں، جزاک اللہ خیراً۔ (عبدالمجید، ماڈل کالونی کراچی)

جواب اس مسئلے میں دونوں طرح کی روایات کتبِ احادیث میں موجود ہیں جنھیں ہم درج ذیل سطور میں نقل کر کے راجح موقف واضح کریں گے۔

جو لوگ جنازے کے لیے پیدائش کے وقت چیخ کو لازم قرار دیتے ہیں ان کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

''عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((الطِّفْلُ لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ وَ لَا يَرِثُ وَ لَا يُوْرَثُ حَتَّى يَسْتَهِلَّ)) '' بچے پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، نہ وہ وارث ہے اور نہ اس کا کوئی وارث ہوگا حتیٰ کہ پیدائش کے وقت روئے (یا چیخ مارے)''

اس روایت کو امام ترمذی (۱۰۳۲) نے روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند میں ابو الزبیر مشہور مدلس ہیں اور سماع کی صراحت بھی نہیں، لہٰذا یہ ابو الزبیر کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس روایت کے دیگر شواہد بھی ملاحظہ کیجیے:

۱: ((اِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَ وُرِّثَ.)) ''جب بچہ چیخ مارے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور وہ وارث بھی بنے گا۔''

ابن ماجہ (۱۵۰۸) یہ روایت ربیع بن بدر متروک (التقریب: ۱۸۸۳) اور

ابوالزبیر کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: انھیں الفاظ کے ساتھ یہ روایت ابن حبان (۶۰۳۲) میں بھی موجود ہے اور اس میں سفیان ثوری اور ابو الزبیر دونوں کا عنعنہ ہے، لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ یہ روایت المستدرك للحاكم (٤/ ٣٤٨) میں بھی اسی علت کے ساتھ موجود ہے۔

واضح رہے کہ اس روایت کے تمام طرق اور شواہد ضعف سے خالی نہیں، پس ان سے استدلال جائز نہیں ہے۔

تنبیہ: بعض اہل علم ایسی روایات کو بطور شاہد نقل کرتے ہیں جن میں سرے سے "لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ" ہے ہی نہیں، مثلاً صحیح ابن حبان کی مذکورہ روایت کی تحقیق کرتے ہوئے جناب شعیب ارناوط صاحب سنن ابن ماجہ (۲۷۵۱) کی ایک صحیح حدیث:((لَا يَرِثُ الصَّبِيُّ حَتَّى يَسْتَهِلَّ صَارِخًا.)) "(ولادت کے بعد) بچہ اگر آواز سے نہ روئے تو وہ وارث نہیں ہوتا۔" کو بطور شاہد نقل کر رہے ہیں۔ دیکھئے ابن حبان (۱۳/۳۹۴)

حالانکہ اس میں سرے سے نماز جنازہ نہ پڑھنے کا ذکر ہی نہیں، لہٰذا "لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ" کا یہ حدیث قطعاً شاہد نہیں بن سکتی۔

قارئین کرام! مذکورہ بحث سے معلوم ہوا جو علمائے کرام بچے کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے رونے یا چیخ مارنے کی قید لگاتے ہیں ان کا استدلال ضعیف روایات سے ہے، اس کے برعکس صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مردہ حالت میں پیدا ہونے والے بچے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، چنانچہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:((الرَّاكِبُ يَسِيرُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَ الْمَاشِي يَمْشِي خَلْفَهَا وَ أَمَامَهَا وَ عَنْ يَمِينِهَا وَ عَنْ يَسَارِهَا قَرِيبًا مِنْهَا وَالسِّقْطُ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَ يُدْعَى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَ الرَّحْمَةِ.))

"سوار آدمی جنازے کے پیچھے چلے اور پیدل جانے والے اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اس کے قریب قریب چلیں، اور نا تمام پیدا ہونے والے بچے کی بھی نماز جنازہ پڑھی

جائے اور اس کے ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت و رحمت کی جائے۔"

(سنن أبي داود : ٣١٨٠ وسنده صحيح)

یہ حدیث دلیل ہے کہ پیدائش کے وقت بچہ روئے یا نہ روئے، یعنی مردہ حالت میں پیدا ہو تب بھی اس کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔

نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نا تمام چھوٹے بچے کی نماز جنازہ ادا کی، میں نہیں جانتا کہ وہ رویا تھا یا نہیں، آپ نے اس کے گھر میں جنازہ پڑھا، پھر اسے تدفین کے لیے بھیج دیا۔ (مصنف عبد الرزاق ٣/ ٥٣٠ واللفظ له، مصنف ابن أبي شيبة ٣/ ٩ ح ١١٥٨٤ وسنده صحيح)

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا:

"يُصَلَّى عَلَى الصَّغِيْرِ كَمَا يُصَلَّى عَلَى الْكَبِيْرِ " جس طرح بڑے کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے اسی طرح چھوٹے بچے کی بھی ادا کی جائے گی۔

(مصنف ابن أبي شيبة ٣/ ١٠ ح ١١٥٩١ وسنده صحيح)

ابن سیرین رحمہ اللہ کی دوسری روایت میں " السقط" کے الفاظ بھی ہیں۔

دیکھئے ابن أبي شيبة (٣/ ١٠ ح ١١٥٨٨ وسنده حسن)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایسے بچے کی نماز جنازہ سے متعلق پوچھا گیا:

"يُصَلَّى عَلَيْهِ وَ إِنْ لَمْ يَسْتَهِلْ ، قَالَ: نَعَمْ ." بچے کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی، اگرچہ وہ نہ روئے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں۔

(مسائل الأمام أحمد رواية ابنه عبد الله: ٥٢٩)

راجح موقف: صحیح حدیث اور اثر صحابی کی رُو سے راجح یہی ہے کہ پیدائش کے وقت بچہ روئے یا نہ روئے، چیخ مارے یا نہ مارے بہر صورت اس کی نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے، اس کے برعکس موقف اس لیے قابل التفات نہیں کہ اس کی بنیاد ضعیف روایات پر ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب .

اخلاق حسنہ کے خوگر بن جائیں

امام مسلم بن الحجاج النیسابوری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ يَعْنِي ابْنَ قَيْسٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ، مَوْلَى عَامِرِ بْنِ كُرَيْزٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((**لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ ، التَّقْوَى هَاهُنَا**)) وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ ((**بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ**))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آپس میں حسد نہ کرو، نہ بولی بڑھا کر ایک دوسرے کو دھوکا دو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو، تم میں سے کوئی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے۔ اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اُسے (مشکل وقت میں) بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اُسے حقیر ہی سمجھتا ہے، تقویٰ تو اِدھر ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا: ”کسی آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے (یاد رکھو!) ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔“

(صحیح مسلم: ٢٥٦٤/ ٣٢)

فقہ الحدیث:

۱) یہ حدیث ایک مسلمان کی زندگی کے اہم گوشوں کی طرف راہنمائی کررہی ہے، اخلاق حسنہ کو اپنانے اور برے اخلاق، گناہ اور ظلم وجور سے بچنے کے بارے میں عظیم احکام پر مشتمل ہے۔

۲) **حسد** یعنی آدمی یہ تمنا کرے کے دوسرے کے پاس جو نعمت ہے وہ اُس کی بجائے میرے پاس آجائے، یا اُس سے وہ نعمت چھن جائے، ایسا عمل حرام ہے، اس پر قرآن و حدیث اور اجماع ہر سہ اقسام کے دلائل موجود ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علماء کا کہنا ہے کہ حسد دو قسم کا ہوتا ہے، حقیقی اور مجازی، چنانچہ حقیقی حسد وہ ہے جس میں آدمی کسی دوسرے آدمی کے پاس موجود نعمت کے خاتمے کی تمنا کرے، یہ عمل امت کے اجماع اور قرآن وسنت کی نصوص کے پیش نظر حرام ہے، جبکہ حسد مجازی سے مراد ''رشک کرنا'' ہے، یعنی آدمی کسی دوسرے بھائی کے پاس موجود نعمت کے بارے میں یہ تمنا کرے کہ کاش یہ نعمت میرے پاس بھی ہوتی، دوسرے بھائی کی نعمت کے ختم ہونے کی تمنا نہ کرے، ایسا کرنا اگر دنیاوی امور میں ہو تو مباح (جائز) ہے اور اگر کسی اطاعت کے معاملے میں رشک کیا جائے تو مستحب ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ، وَقَامَ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا، فَهُوَ يَتَصَدَّقُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ، وَ النَّهَارِ))

'' حسد جائز نہیں مگر صرف دو چیزوں میں: ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب (قرآن مجید) کا علم دے رکھا ہو اور وہ رات کے کناروں (مختلف حصوں) میں اس کے ذریعے سے قیام کرتا رہے اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال سے نواز رکھا ہو اور وہ دن رات کے مختلف حصوں میں اس میں سے صدقہ کرتا رہے۔''

(صحيح البخاري:5025، صحيح مسلم: 815)

ایسے انداز میں رشک کرنا قابل تعریف ہے، جبکہ حسد کرنا نہایت قابل مذمت عمل

ہے،ان دونوں کے فرق کو ملحوظ رکھیے۔

۳) التناجش: تجارت کے دوران میں اس سے واسطہ پڑ سکتا ہے،اس کا انداز یہ ہے کہ ایک آدمی جسے سامان خریدنے میں کوئی رغبت نہ ہو،لیکن اس سامان کی بولی اس غرض سے بڑھا دے کے دوسرے کے لیے اسے خریدنے میں مشکل پیش آئے۔معجم الوسیط میں ہے:''نجش فلان في البیع (فلاں نے سودے کی بولی بڑھائی) یعنی اُس نے سودے کی قیمت بڑھائی یا (نکاح کے وقت) حق مہر میں زیادہ رقم رکھی،جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُس کی اہمیت بڑھ جائے اور قیمت میں اضافہ ہو جائے،اسے مزایدۃ (جان بوجھ کر قیمت بڑھانا) بھی کہتے ہیں،شرعاًیہ مکروہ (تحریمی) ہے۔''

۴) البغض: اس سے مراد ناراضی اور ناپسندیدگی ہے۔علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپس میں ناراضی سے منع کرنے میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ ایسی گمراہ کن اور بُری خصلتوں سے بچا جائے جو آپس میں بغض کا پیش خیمہ بنتی ہوں۔''

تنبیہ: اس قول میں بری خصلتوں سے مراد بدعات اور بدعتی فرقہ بندیاں ہیں،اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھے،اور فہم سلف کی روشنی میں خالص کتاب وسنت اور اجماع کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

۵) التدابُر: (پیٹھ پھیرنا) اس سے مراد دشمنی اور قطع تعلقی ہے،ایسے حالات میں ہر آدمی دوسرے سے پیٹھ پھیر کر مڑ جاتا ہے،اور اس کا سبب غصہ،بغض اور ناپسندیدگی ہوتا ہے۔

۶) ایک آدمی کے سودے پر دوسرے کا سودہ کرنا: اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کسی شخص کو جو ایک مسلمان سے کچھ خرید رہا ہے یہ کہے کہ تُو اس کے ساتھ معاملہ توڑ دے،میں تجھے اس سے کم قیمت پر یہ سامان دوں گا،یا اسی قیمت پر اس سے اچھا سامان دوں گا یا اس طرح کا کوئی اَور لالچ دے،ایسا طرزِ عمل حرام ہے،اسی طرح کسی بھائی کی خریدی ہوئی چیز خود خرید لینا،مثال کے طور پر وہ دکان دار سے کہے: تُو اس سے سودہ نہ کر،میں تجھے اس سے زیادہ قیمت دوں گا،یا ایسا ہی کوئی کلمہ کہے۔ایسے معاملات میں دوسرے مسلمان کا نقصان ہے،

اور یہی نقصان اس کی حرمت کے لیے کافی ہے۔

۷) اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، یعنی آپس میں اچھے معاملات کرو، معاشرے میں بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہو، جس طرح بھائی آپس میں محبت، نرمی، شفقت، عفوو درگزر اور آپس میں بھلائی کے کاموں میں تعاون کرتے ہیں اسی طرح ایک دوسرے کے بارے میں دل صاف رکھو اور ہر حال میں اپنے مسلمان بھائی کے لیے خیر خواہی کا پہلو اپناؤ۔ (یہ کلام علامہ نووی رحمہ اللہ کا ہے۔)

۸) **الخذل:** یعنی جب کوئی مظلوم مسلمان مدد طلب کرے تو اس کی نصرت و مدد سے ہاتھ کھینچ لیا جائے، حالانکہ اگر ممکن ہو اور کوئی شرعی عذر بھی نہ ہو تو اس حالت میں مسلمان کی مدد کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی زمرے میں چہاردانگِ عالم میں مظلوم مسلمانوں کی مدد بھی شامل ہے، خواہ وہ مدد ہاتھ سے کی جائے یا زبان سے، اور کافروں وظالموں کو ان کے ظلم وستم سے روکا جائے۔ ان کے خلاف ہاتھ، زبان اور مال سے جہاد کیا جائے۔

۹) اس حدیث میں تکبر اور اپنے بھائیوں کو حقیر سمجھنے، انہیں رسوا کرنے، اور ان کا استہزا کرنے کی حرمت بھی موجود ہے، کیوں کہ سب مسلمان برابر ہیں، سوائے اہل تقویٰ واہل علم کے جو کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی صبح وشام گزارتے ہیں اور بلند درجات پا لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام میں نہ کوئی قومیت ہے اور نہ ذات پات کے تفرقے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر، اسلام کے جھنڈے تلے نہ کوئی گورا کسی سیاہ سے افضل ہے نہ کوئی سیاہ فام کسی گورے پر فوقیت رکھتا ہے۔ ہاں! یہاں فضیلت کا کوئی معیار ہے تو صرف علم اور تقویٰ ہے بس۔

۱۰) یہ حدیث مطلق طور پر کسی مسلمان کے قتل، اس کی عزت میں نقب لگانے اور اس کا مال لُوٹنے کی حرمت پر صریح دلیل ہے، رہا وہ شخص جس نے کسی مسلمان کا قتلِ عمد (ارادۂ قتل اور آلۂ قتل کے ساتھ) کیا ہو، یا شادی شدہ زانی ہو، یا مرتد ہو جائے تو وہ اس عموم سے خارج ہے۔ یاد رہے کہ مرتد مسلمانوں کی صف سے خارج ہو جاتا ہے، یہاں اسے مسلمانوں کی

تین استثنائی اقسام میں ذکر اس لیے کیا گیا کہ ارتداد سے پہلے تو مسلمان ہی تھا۔

۱۱) یاد رہے کہ اسلام کی بنیاد پر بننے والا یہ بھائی چارہ کئی لحاظ سے خونی رشتوں سے زیادہ اہم اور مضبوط ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر خونی رشتوں کا مرکز ومحور بھی تقویٰ وعملِ صالح نہیں ہوگا تو دنیا میں تو ایک دوسرے کے حقوق وواجبات کے ذمہ دار ہوں گے لیکن آخرت میں ایسا کوئی رشتہ بھی کام نہ آسکے گا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بآواز بلند سنا، جبکہ آپ کی آواز دھیمی نہیں تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ((**إِنَّ آلَ أَبِي لَيْسُوا بِأَوْلِيَائِي، إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللّٰهُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ، وَ لٰكِنْ لَهُمْ رَحِمٌ أَبُلُّهَا بِبَلَاهَا**)) ''بلاشبہ میرے باپ کا خاندان میرے اولیاء (دوست، معاون) نہیں ہیں، بلکہ میرا ولی تو اللہ اور صالح اہل ایمان ہیں، لیکن اُن (خاندان والوں) کے لیے صلہ رحمی ہے، میں ان کے حقوق کے مطابق اپنے فرائض ادا کرتا رہوں گا۔'' [صحیح البخاري: ٥٩٩٠]

یہ آخری فائدہ مترجم کی طرف سے ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ادائیگی قرض سے متعلق سنن الترمذی (٣٥٦٣) کی روایت کو ہم نے ضعیف قرار دیا، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق کا تعین نہیں، ہمارے ایک بھائی نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ جب المختارہ وغیرہ میں موجود ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن اسحاق القرشی ہے اور وہ ثقہ ہے تو پھر یہ روایت صحیح ثابت ہوئی۔ عرض ہے کہ محض القرشی سے تعین کرنے میں نظر ہے کیونکہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی (ضعیف) راوی کو بھی القرشی قرار دیا ہے۔

دیکھئے الکامل لابن عدی (٧/ ١٨٩)

لہٰذا جب تک دلائل سے یہ ثابت اور متعین نہیں ہو جاتا کہ اس سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنی ہی ہے تب تک یہ روایت ضعیف ہی قرار پائے گی۔ واللہ اعلم

(۳۰)

۳۶۵) وَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الْإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ وَ إِذَا صَلّٰى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ قَالَ: وَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ . رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا وَ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ .

اور نافع سے روایت ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کے لیے امام کی قراءت کافی ہے اور جب اکیلے نماز پڑھے تو قراءت کرے۔انھوں نے کہا: عبداللہ (رضی اللہ عنہ) امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔

اسے مالک نے موطا (۱/۸۶ ح) میں روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: **اس کی سند صحیح بلکہ اصح الاسانید ہے۔**

اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کے علاوہ امام کی باقی قراءت کافی ہے، اور اس کے دو قرینے ہیں:

اول: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اکیلے نماز پڑھے تو قراءت کرے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اکیلے نماز پڑھے تو سورۂ فاتحہ پڑھے کیونکہ یہ تو عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ سورۂ فاتحہ فرض ہے اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

دوم: ابوالعالیہ (ثقہ تابعی) نے مکہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نماز میں قراءت سے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: مجھے اس گھر (بیت اللہ) کے رب سے حیا آتی ہے کہ میں ایسی نماز پڑھوں جس میں قراءت نہ کروں، اگرچہ (صرف) سورۂ فاتحہ ہی ہو۔

(جزء القراءة للبخاري :٤٨)

اس اثر کے بارے میں نیموی صاحب نے فرمایا: "إسناده حسن " إلخ

(التعلیق الحسن ص ۱۷۰ تحت ح ۳۵۸)

اس اثر سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ نماز میں ضروری (یعنی رکن ہے) اور باقی قراءت افضل ہے کیونکہ صرف سورۂ فاتحہ سے بھی نماز ہوجاتی ہے۔

۳۶۶) وَ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَبْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ: مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلاَّ وَرَاءَ الْإِمَامِ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ.

اور وہب بن کیسان (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص ایک رکعت پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوئی، سوائے امام کے پیچھے۔

اسے مالک نے (موطا ۸۴/۱ ح ۳۸ میں) روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر رکعت جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نہیں ہوتی۔ اس اثر کے برعکس نیموی صاحب کی پارٹی والے لوگ کہتے ہیں کہ اگر (امام یا منفرد) آخری دو رکعتوں میں کچھ بھی نہ پڑھے، یعنی نہ سورۂ فاتحہ اور نہ کچھ اور بلکہ چپ کھڑا رہے تو اس کی نماز ہوجاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ نیموی صاحب اینڈ پارٹی اس اثر کے مخالف ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس اثر میں بھی فاتحہ خلف الامام کی ممانعت نہیں ہے، تیسرے یہ کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فاتحہ خلف الامام ثابت ہے۔

دیکھئے سنن ابن ماجہ (۸۴۳ وسندہ صحیح)

چوتھے یہ کہ یہ اثر جمہور صحابہ اور مرفوع احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔ نیز دیکھئے حدیث: ۳۴ کا حاشیہ

٣٦٧) وَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رضي الله عنه عَنِ الْقِرَأَةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَالَ: لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِيْ شَيْءٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِي بَابِ سُجُوْدِ التِّلَاوَةِ.

اور عطاء بن یسار (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قراءت کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: امام کے ساتھ کسی چیز میں قراءت نہیں ہے۔
اسے امام مسلم (۵۷۷) نے سجودِ تلاوت والے باب میں روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

یعنی امام کے ساتھ کسی نماز میں بھی جہری قراءت نہیں کرنی چاہیے، بلکہ خفیہ آواز کے ساتھ سراً دل میں سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے، لہٰذا اس اثر سے نیموی صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ نیز دیکھئے حدیث نمبر ۳۶۸ کا حاشیہ۔

٣٦٨) وَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِقْسَمٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رضي الله عنه وَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رضي الله عنه وَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رضي الله عنه فَقَالُوْا: لَا يُقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلَوَاتِ. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ.

اور عبید اللہ بن مقسم (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) نے عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قراءت نہیں کی جاتی۔ اسے طحاوی (۲۱۹/۱) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

۱: اس سے ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی جہری قراءت نہیں کی جاتی (لقمہ دینا مستثنیٰ ہے)

اس مفہوم کی دو دلیلیں درج ذیل ہیں:

اول: اگر امام کے پیچھے مطلقاً قراءت نہیں ہے اور سراً پڑھنا بھی ناجائز ہے تو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ظہر و عصر کی نمازوں میں کیوں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ بلکہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی

سورت اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے؟
دیکھئے سنن ابن ماجہ (۸۴۳ و سندہ صحیح ،سعید بن عامر ثقہ وثقہ الجمہور)

ظاہر ہے کہ تمام صحیح روایات کو ملا کر ان کا مفہوم سمجھنا چاہیے ورنہ پھر روایات میں تعارض پیدا ہو جائے گا جو کہ محال یا بعید ہے۔

دوم: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول گزر چکا ہے کہ وہ ایسی نماز پڑھنے سے حیا کرتے تھے جس میں کم از کم سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ دیکھئے حدیث: ۳۶۵

معلوم ہوا کہ اس اثر کا جو مطلب ہم نے اوپر بیان کیا ہے، وہی راجح ہے۔ والحمدللہ

۳۶۹) وَ عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: أَنْصِتْ لِلْقِرَاءَةِ فَإِنَّ فِي الصَّلٰوةِ شُغْلًا وَّ سَيَكْفِيْكَ ذٰلِكَ الْإِمَامُ. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَ إِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ.

اور ابو وائل (شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قراءت کے لیے خاموش رہ، کیونکہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے اور تیرے لیے اس میں امام کافی ہے۔
اسے طحاوی (۱/ ۲۱۹) نے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔
انوار السنن: **اس کی سند صحیح ہے۔**

اس اثر میں حالت جہر میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ (ماعدا الفاتحۃ) سے منع کیا گیا ہے یا جہراً قراءت سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ سورۂ فاتحہ دل میں پڑھنے کے مفصل دلائل گزر چکے ہیں۔

۳۷۰) وَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَيْتَ الَّذِيْ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِئَ فَوْهُ تُرَابًا. رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَ إِسْنَادُهٗ حَسَنٌ.

اور علقمہ (بن قیس رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے پڑھتا ہے، کاش اس کا منہ مٹی سے بھر جائے۔
اسے طحاوی (۱/ ۲۱۹) نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔
انوار السنن: **اس کی سند ضعیف ہے۔**

حدیج بن معاویہ ضعیف راوی ہے اور ابو اسحاق مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔

٣٧١) وَ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ أَقْرَأُ وَ الْإِمَامُ بَيْنَ يَدَيَّ فَقَالَ لا . رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ .

اور ابوحمزہ (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: جب امام میرے سامنے ہو تو کیا میں قراءت کروں؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔

اسے طحاوی (۱/۲۲۰) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

انوار السنن: صحیح ہے۔

اس اثر کا مطلب صرف یہ ہے کہ امام کے پیچھے جہراً قراءت نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ العیزار بن حریث (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: " اقرأ خلف الإمام بفاتحة الكتاب "امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ۔

(مصنف ابن أبي شيبة ١/ ٣٧٥ح ، شرح معانی الآثار للطحاوي ١/ ٢٠٦ ، كتاب القراءت للبيهقي ص ١٧٣ ، ١٧٤ ح ٤١٢ و إسماعيل بن أبي خالد صرح بالسماع عنده و سنده صحيح و قال البيهقي: " و هذا إسناده صحيح ، لا غبار عليه ")

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سراً سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔

٣٧٢) وَ عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَفِي كُلِّ صَلٰوةٍ قُرْاٰنٌ قَالَ:((نَعَمْ)) فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ: وَجَبَ هٰذَا فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: يَا كَثِيْرُ وَ أَنَا إِلٰى جَنْبِهٖ لا اَرَى الْإِمَامَ إِذَا أَمَّ الْقَوْمَ إِلَّا كَفَاهُمْ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ الطَّحَاوِيُّ وَ أَحْمَدُ وَ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ وَّ فِی الْبَابِ اٰثَارُ التَّابِعِيْنَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ .

کثیر بن مرہ (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! کیا ہر نماز میں قرآن (کی قراءت) ہے؟ آپ نے فرمایا: "جی ہاں!" تو لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا: یہ واجب (فرض) ہو گئی۔

پھر ابو درداء (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اے کثیر! اور میں آپ کے پہلو میں تھا۔ میں یہی سمجھتا ہوں کہ امام جب لوگوں کی امامت کرتا ہے تو وہ ان کے لیے کافی ہوتا ہے۔

اسے دارقطنی (۱/۳۳۲ ح ۱۲۴۸) طحاوی (۱/ ۲۱۶) اور احمد (۶/ ۴۴۸) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

اور اس باب میں تابعین رحمہ اللہ کے بھی آثار ہیں۔

انوار السنن: حسن ہے۔

معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت میں امام مقتدیوں کے لیے کافی ہوتا ہے، لہٰذا وہ جہری نماز میں باقی قراءت نہ کریں، رہی سری نماز تو اس میں اگر وہ سراً باقی قرآن میں سے بھی قراءت کرلیں تو جائز ہے، جیسا کہ آثارِ صحابہ سے ثابت ہے۔

نیموی صاحب نے جو آثارِ تابعین پیش کیے ہیں ان کا مختصر و جامع جائزہ درج ذیل ہے:

۱: سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ظہر وعصر کی نمازوں (بلکہ عام نمازوں) میں امام کے پیچھے جہراً قراءت نہ کرو۔

۲: سعید بن جبیر کی طرف منسوب اثر کی سند ہشیم بن بشیر کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۳: سعید بن المسیب کی طرف منسوب اثر "انصت للإمام" کی سند قتادہ (تقدم:۲۵۹) کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور نیموی صاحب کا اسے "إسناده صحیح" کہنا عجوبہ ہے۔

۴: محمد بن سیرین کے قول: "لا أعلم . إلخ" کا مطلب قراءت بالجہر خلف الامام ہے۔

۵: اسود بن یزید کے قول: "لأن أعض إلخ" کی سند ابراہیم بن یزید النخعی مدلس (تقدم: ۲۴۰) کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور دوسری سند میں اسماعیل بن ابی خالد مدلس ہیں۔ دیکھئے الفتح المبین (ص ۵۲)

لہٰذا یہ سند ضعیف ہے جبکہ تدلیس سے آنکھیں بند کر کے نیموی صاحب کہہ رہے ہیں:
" إسناده صحيح"!!
اگر کذاب و لیس بشئ راوی کی روایت بھی صحیح ہوتی ہے تو موضوع و مردود کس روایت کا نام ہے۔

تنبیہ: فاتحہ خلف الامام کے سلسلے میں آثار صحابہ و تابعین ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ وللہ الحمد

بَابُ تَأْمِيْنِ الْإِمَامِ

امام کے آمین کہنے کا بیان

۳۷۳) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((**إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.**)) رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی، اُس کے سابقہ (صغیرہ) گناہ بخش دیے گئے۔'' اسے ایک جماعت (بخاری: ۷۸۰، مسلم: ۴۱۰، ابوداود: ۹۳۶، ترمذی: ۲۵۰، ابن ماجہ: ۸۵۱، نسائی ۲/۱۴۳۔۱۴۴ ح ۹۲۷، احمد ۲/ ۴۵۹) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

اس حدیث میں مقتدیوں کی آمین کو امام کی آمین کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے، یعنی جب امام آمین کہے گا تب مقتدی آمین کہیں گے۔ اگر امام دل میں آمین کہے تو مقتدیوں کو کس طرح علم ہوگا کہ امام نے آمین کہی ہے، مثلاً: امام نے وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کہہ کر سانس لینے کے لیے تھوڑی دیر سکتہ کر لیا، اُس پر یہ فرض تو نہیں ہے کہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہتے ہی فوراً آمین

کہہ دے اور سکتہ ہرگز نہ کرے۔ سکتے والی حالت میں امام نے ابھی آمین کہی ہی نہیں اور مقتدی حضرات آمین کہہ دیتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟ فرشتے امام کے آمین کے ساتھ ہی آمین کہتے ہیں یا امام کو چھوڑ کر مقتدیوں کی آمین کے ساتھ آمین کہتے ہیں؟

مطلب واضح ہے کہ امام الدنیا فی فقہ الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ”جهر الإمام بالتأمين“ کا باب باندھا ہے۔ مقتدی جب امام کی آمین سنیں گے تب وہ بھی آمین کہہ دیں گے اور فرشتے بھی آمین کہہ دیں گے، پھر موافقت والی بات ہوگی۔

نیموی صاحب نے مجاز وغیرہ کا چکر چلا کر دُور از کار تاویل پیش کی ہے جو عقل ونقل اور محدثین کے فہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

۳۷۴) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((**إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ فَإِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.**)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهٗ.

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب امام ﴿**غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ**﴾ کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کی بات (آمین) فرشتوں کی بات سے مل گئی اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

اسے بخاری (۷۹۶) نے روایت کیا ہے اور مسلم (۴۰۹) نے ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔

انوار السنن:

اس حدیث میں امام کے آمین کہنے کا ذکر نہیں، لہٰذا اسے سابقہ حدیث کے ساتھ ملا کر سمجھا جائے گا ورنہ اگر کوئی اس کا یہ مطلب نکالنا شروع کر دے کہ امام کو آمین نہیں کہنی چاہیے کیونکہ اس حدیث میں اُس کا ذکر نہیں تو نیموی صاحب کے متبعین کہیں گے کہ یہ مطلب غلط ہے۔ نیز دیکھئے حدیث: ۳۲۶

تنبیہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ قول میں خطاب اگر مطلقاً ہو تو جہر پر محمول ہوتا ہے۔ عرض

ہے کہ جس اصول کی تخصیص دلیل کے ساتھ ثابت ہو تو خاص کو علیحدہ کرلیا جاتا ہے اور باقی پر وہ اصول جاری رہتا ہے۔ یہاں تشہد کا خفیہ پڑھنا ثابت ہے۔ دیکھئے حدیث: ۴۶۱

لیکن آمین کا جہری نمازوں میں خفیہ پڑھنا ہر گز ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہاں قول اپنے عمومی اصول پر ہی رہے گا اور اس پر مزید تائید یہ کہ صحیح مرفوع احادیث اور آثار سے آمین بالجہر ثابت ہے۔ والحمد للہ

۳۷۵) وَ عَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَطَبَنَا فَبَيَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَ عَلَّمَنَا صَلٰوتَنَا فَقَالَ: ((**إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوْا صُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَ إِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ يُحِبْكُمُ اللّٰهُ.**)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے بھی لمبی حدیث میں روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا تو ہماری سنتیں ہمیں بتائیں اور ہمیں نماز کا طریقہ سکھایا، پھر فرمایا: ''جب تم نماز پڑھو تو اپنی صفیں قائم کرو، پھر ایک آدمی تمھیں امامت کرائے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ: ﴿**غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ**﴾ کہے تو تم آمین کہو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' اسے مسلم (۴۰۴) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن: نیز دیکھئے حدیث: ۳۷۶، ۳۷۴

توجہ طلب!

قارئین کرام! گذشتہ شمارے (۱۲۹۔۱۳۲) میں کمپوزنگ کی کئی غلطیاں رہ گئی تھیں مثلاً امام ترمذی کے بعد ''علیہ السلام'' لکھا جانا وغیرہ۔ ہم نے بھرپور محنت سے پروف ریڈنگ کی تھی لیکن جب شمارہ ایک کمپوزر سے دوسرے کمپوزر کے پاس سیٹنگ کے لیے گیا تو اس کے ہاں فونٹ بدلنے سے طغرے وغیرہ بدل گئے، بہر صورت ہم ہر قسم کی غلطی پر معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ مکتبۃ الحدیث حضرو ضلع اٹک)

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

غیر اللہ سے دُعا اور چند قرآنی سوالات (قسط:۳)

اب سعیدی صاحب کی تفسیر بھی ملاحظہ کر لیجئے، لکھتے ہیں:

''اور اب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں معبودوں سے مراد ان کے وہ معبود ہوں جو ذوی العقول ہیں جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور ملائکہ اور وہ قیامت کے دن مشرکین کی عبادت سے برأت کا اظہار کریں گے، قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِیْ بِحَقٍّ.

اور اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو، عیسیٰ کہیں گے تو پاک ہے میرے لئے یہ جائز نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جو حق نہیں ہے'' (تبیان القرآن 667/9)

جب دونوں بریلوی مفسرین کو یہ تسلیم ہے کہ سورۂ فاطر کی یہ آیات اللہ کے نیک بندوں، مقربین وصالحین کی بندگی کرنے والوں کے متعلق بھی ہیں تو خود ہی غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کیا فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾

''تم اللہ کے سوا جن کو (اپنی مدد کے لیے) پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے (بھی) مالک نہیں۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری التجا کو نہیں سن سکیں گے اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو وہ تمہاری حاجت روائی نہ کر سکیں گے (بلکہ) قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے...... '' (فاطر: 14-13)

کیا ان آیات سے واضح نہیں ہوتا کہ اللہ کے محبوب اور پیارے بندے بھی کسی کی دعا نہیں سن سکتے۔ اگر بالفرض سن بھی لیں تو نفع نہیں پہنچا سکتے اور قیامت کے دن لوگوں کے اس شرک کا انکار کردیں گے، اپنی برأت کا اعلان فرمادیں گے۔

غیر اللہ سے دعا کا شرک ہونا، اس آیت سے ثابت ہے۔ اسی طرح ان آیات سے یہ بات بھی غلط ثابت ہوجاتی جس کی تعلیم دیتے ہوئے سعیدی صاحب نے لکھا:

''زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ ہماری حاجت روائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کردیں'' (تبیان القرآن 187/1)

زندہ اولیاء اللہ بلکہ ہر مسلم سے دعا کی درخواست میں کسی کو اختلاف نہیں، لیکن سعیدی صاحب نے جس تسلسل میں یہ بات لکھی ہے اس سے ان کی تفسیر کے دیگر بعض مقامات سے واضح ہوتا ہے کہ موصوف ''فوت شدہ'' اولیائے کرام سے بھی دعا کی درخواست کے قائل ہیں۔ اسی طرح سرفراز خان صفدر صاحب نے لکھا:

''حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دار العلوم دیوبند و حال مفتی اعظم پاکستان لکھتے ہیں: اسی طرح غیر مادی اسباب کے ذریعہ کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ دے کر براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا روایاتِ حدیث اور اشاراتِ قرآن سے اس کا بھی جواز ثابت ہے...... (معارف القرآن ج 1 ص 42)''

(تسکین الصدور ص 415)

اسی کتاب (ص 380,381) میں سرفراز صاحب نے ایسی درخواست کو جائز نقل کیا اور تردید نہیں کی، جبکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ﴾ ''اگر وہ سن بھی لیں تو تمہاری التجا قبول نہیں کر سکتے۔''

لہٰذا دیوبندیوں اور بریلویوں کا کسی فوت شدہ بزرگ سے یہ کہنا کہ حضرت! آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے اور پھر یہ سمجھنا کہ وہ سن سکتے ہیں اور اللہ سے دعا بھی کر سکتے ہیں اس آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ رکھنا کہ اگر ان فوت شدہ بزرگوں نے سن لیا تو وہ دعا

کر دیں گے یا کر سکتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان فوت شدہ بزرگوں نے التجا و درخواست قبول کر لی یا کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس کی نفی فرماتا ہے۔ایک طرف سرفراز اور سعیدی صاحبان کا یہ نظریہ ہے تو دوسری طرف سرفراز صاحب ہی لکھتے ہیں: ''قاضی صاحبؒ نے دوسرا مطلب اس آیت کریمہ کا یہ بیان فرمایا ہے کہ نفی اس سماع کی ہے جس پر کوئی نتیجہ ثمرہ اور فائدہ مرتب ہو اور وہ وہی سماع ہو سکتا ہے جو نافع اور مفید ہو اور مرنے کے بعد سماع کا کیا فائدہ؟'' (تسکین الصدور ص 393)

اپنی ایک دوسری کتاب میں اسی آیت: ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ کا جواب دیتے ہوئے لکھا: '' الجواب: اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں مشہور ہیں پہلی تفسیر یہ ہے کہ اس میں سماعِ نافع کی نفی ہے'' (سماع موتیٰ ص 279)

اور سعیدی صاحب نے لکھا:

''عام طور پر مردوں کا یہی قاعدہ ہے کہ وہ کسی بات کو سن کر غور وفکر نہیں کرتے اور نہ کسی پیغام کو قبول کرتے ہیں'' (تبیان القرآن 670/9)

مزید لکھتے ہیں: ''بہر حال اس آیت سے مردوں کے مطلقاً سننے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ کسی بات کو سن کر اس پر غور وفکر کرنے اور کسی پیغام کو قبول کرنے کی نفی ہوتی ہے'' (حوالہ بالا)

سردست اس پر بحث نہیں کہ آیت: ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ اور آیت: ﴿وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ سے کیا بات ثابت ہوتی ہے اور کیا نہیں؟؟ عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب سعیدی صاحب کو بھی یہ تسلیم ہے کہ ''پیغام قبول کرنے کی نفی ہوتی ہے'' تو پھر قبر والوں سے، فوت شدہ سے یہ درخواست کہ آپ دعا کر دیجئے عین وہی چیز ہے جس کی یہ نفی کرتی ہے!!

غیر اللہ سے دعا مانگنے کے شرک ہونے کا ثبوت حدیث سے بھی ملتا ہے، جیسا کہ ہم سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کر آئے ہیں کہ ''دعا عبادت ہے''
(سنن ابی داود: 1479 وسندہ صحیح)

جب دعا عبادت ہے تو اللہ کے علاوہ ہر ایک کی عبادت شرک ہے۔اس حدیث سے چھٹکارا پانے کے لیے یہ لوگ کس طرح کے چٹکلے چھوڑتے ہیں کچھ کا تذکرہ تو آپ پڑھ چکے ہیں اورمزید کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں،ان کے ''علامہ'' غلام نصیر الدین سیالوی صاحب نے لکھا:''وہابی حضرات کا یہ شبہ ہے کہ حدیث پاک کے اندر آتا ہے{الدعا ھو العبادۃ } اور{الدعا مخّ العبادۃ }دعا عین عبادت اور دعا عبادت کا مغز ہے۔

اس کے جواب میں ہم گزارش کرتے ہیں اگر اس حدیث پاک کا یہ مطلب لیا جائے کہ کسی کو پکارنا اس کی عبادت بن جاتا ہے تو ان آیات کریمہ کا کیا مطلب ہوگا جن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا یّھا النبی ، یا یھا الرسول ، یایھا المزمّل ، یایھا المدثر ، یٰسین ، یایھاالناسُ ، یایھا الذین آمنوا ، یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا "

(ندائے یارسول اللہ ﷺ ص 172 مطبوع بزم شیخ الاسلام جامعہ رضویہ حسن القرآن دینہ جہلم)

جواب: آخرکون اس حدیث کا یہ مطلب لیتا ہے کہ ''کسی کو پکارنا اس کی عبادت بن جاتا ہے'' ہم تو کہتے ہیں کہ کسی سے دعا مانگنا ،عزت، حشمت، اولاد مانگنا اوران کے لیے فریادیں کرنا عبادت ہے۔اور حدیث میں یہی بات ہے کہ '' دعا عین عبادت ہے'' اگر حدیث پر ایمان کامل ہے تو یہ کہنے کی گنجائش نہیں پائیں گے کہ ''دعا عبادت نہیں ہے''

باقی جناب نے خلط مبحث فرما کر قرآن مجید سے مختلف آیات کریمہ کے کچھ حصے نقل فرمائے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ یا اہل کتاب کو پکارا ہے۔ ہر پکار تو شرک ہے ہی نہیں، اگر کوئی کہتا تب بھی یہ تمام مثالیں اس کے رد میں پیش کرنا غلط ٹھہرتا، چونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کے پکارنے کا ذکر ہے۔احکام بندوں کے لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں۔

اس کے بعد سیالوی صاحب نے قرآن مجید کی مختلف آیات کہ جن میں کسی کو پکارنے کا ذکر ہے نقل کی ہیں اور بار بار پوچھا:

''اگر ہر پکار عبادت ہے تو کیا اللہ نے نبی پاک ﷺ کو کافروں کی عبادت کرنے کا حکم

دیا......''لوگوں کی عبادت کا حکم دیا...... جب نبی پاک ﷺ تمہاری عبادت کریں''

(ص 72 تا 175)

جواب: نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ، یہ تو کسی نے بھی نہیں کہا کہ ''ہر پکار عبادت ہے'' بحث کا یہ انداز عجیب ہے کہ اپنے ذہن سے ایک اعتراض یا اشکال گھڑ کر مخالفین کی طرف منسوب کر کے اس کے جوابات دیے جائیں۔ بہر حال سیالوی صاحب نے جتنی بھی مثالیں دی ہیں باستثنائے واحد ہر ایک میں اپنے قریب کے لوگوں کو پکارنے کا ذکر وثبوت ہے جس کے ہم انکاری نہیں۔ ایک مثال سورہ بقرۃ: (260) سے دی ہے تو وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے، یہ ایک خاص معاملہ ہے اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ مردہ جانوروں اور پرندوں کو پکارا جائے۔

سیالوی صاحب نے ان مثالوں کے بعد لکھا:

''ان آیات کی رو سے نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث پاک {الدعا هو العبادة} کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو معبود سمجھ کر پکارنا اس کی عبادت ہے'' (ص 175)

جواب: سیالوی صاحب نے جتنی بھی آیات پیش کی ہیں ان میں پکارنے کا ذکر وثبوت تو ضرور ہے مگر ان سے یہ نتیجہ قطعاً برآمد نہیں ہوتا کہ حدیث پاک: ((**الدعاء هو العبادة**)) کا یہ مطلب ہے کہ کسی کو معبود سمجھ کر پکارنا عبادت ہے۔ حدیث تو واضح ہے اور اگر غیر اللہ سے دعا مانگی گئی خواہ اسے معبود سمجھے یہ نہ سمجھے تو یہ اس کی بھی عین عبادت ہے، لیکن دین اسلام میں یہ عبادت مبغوض و مذموم ہے۔ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ دعا جیسی عبادت کو اللہ ہی کے لیے مختص رکھا جائے۔

سعیدی صاحب نے مراغی پر کچھ رد کے بعد مزید لکھا: ''ہم نے ان پڑھ عوام اور جہلاء کو اولیاء اللہ کے مزارات پر بارہا سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، جو منع کرنے کے باوجود باز نہیں آتے، اسی طرح ان کو مزارات پر صاحب مزار کی نذر اور منت مانتے ہوئے دیکھا ہے حالانکہ سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیمی اللہ کے غیر کے لئے جائز نہیں۔'' (تبیان 186/1)

اس کے بعد سعیدی صاحب نے جو لکھا وہ اپنی شرح صحیح مسلم میں زیادہ وضاحت سے لکھا ہے تو شرح صحیح مسلم سے بھی اقتباس ملاحظہ کیجئے، لکھتے ہیں:

''**مصیبت کے وقت کٹر مشرکین کا اللہ تعالیٰ کی نذر ماننا:** جو لوگ اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے بجائے اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اولیاء اللہ سے حاجت روائی کی درخواست کرتے ہیں انہیں ان آیات پر غور کرنا چاہیے۔

هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّاۤ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ...... (الآیۃ)

وہی ہے جو تم کو خشک زمین اور سمندر میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوئے اور موافق ہوا کے ساتھ وہ کشتیاں چلیں اور وہ (اس سفر میں) شادمان تھے کہ اچانک ان کشتیوں کو ایک تیز آندھی نے آلیا اور سمندر کی موجوں نے ان کو ہر طرف گھیر لیا اور وہ سمجھے کہ ہم طوفان میں گھر گئے ہیں، اس وقت انھوں نے اللہ کو پکارا اور آں حالیکہ وہ خالص اسی کے عبادت گزار تھے (اور کہا) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دیدی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس (طوفان) سے بچا لیا تو وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگے، اے لوگو! تمہاری بغاوت تمہاری ہی جانوں پر ضرور ہے...... (یونس :23-22)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کٹر سے کٹر مشرک اور پکا بت پرست بھی سخت مصیبت میں اللہ کو پکارتا تھا، اللہ سے دعا کرتا تھا اور اس کی نذر مانتا تھا۔ اگر ہم مسلمان کہلا کر اپنی حاجات میں اللہ کو چھوڑ کر اولیاء اللہ کی نذر مانیں تو کس قدر افسوسناک اور لائقِ مذمت ہے''

(شرح صحیح مسلم 543/40، تبیان القرآن 186/1)

سعیدی صاحب نے مزید لکھا:

''امام رازی سورۃ یونس آیت: ۱۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان کافروں نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی صورتوں کے بت بنا لئے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ جب وہ ان بتوں کی عبادت کریں گے تو وہ بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے، اور اسی زمانہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ بہت لوگ والیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ جب وہ ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ (تفسیر کبیر ۴ص 556 مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)''

(تبیان 187/1)

سعیدی صاحب کا کہنا ہے کہ ''کٹر سے کٹر مشرک بھی سخت مصیبت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے ہم مسلمان کہلا کر بھی اپنی حاجات میں اللہ کو چھوڑ کر اولیاء اللہ کو پکاریں۔'' تو عرض ہے کہ ان کے ہم مسلک لوگ ہیں جو اس قسم کی آیات سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے غیر اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں، رسول اللہ ﷺ اور اولیائے کرام سے دعائیں مانگتے ہیں، کوئی کہتا ہے:

''یـا رسـول اللّٰه انظر حالنا یا حبیب اللّٰه اسمع قالنا'' یعنی اے اللہ کے رسول! ہمارے حال پر نظر کیجئے۔ اے اللہ کے حبیب! ہماری فریاد سنیئے۔

پہلا سوال: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النمل: 62)

۱: احمد سعید کاظمی بریلوی صاحب نے اس کا ترجمہ لکھا:

''بلکہ (بتاؤ) کون قبول کرتا ہے بیقرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے اور (کون) تکلیف دور کرتا ہے اور تمہیں (پہلے لوگوں کا) زمین پر نائب بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو'' (البیان)

۲: پیر کرم شاہ الازہری صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا:

’’بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بیقرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے اور (کون) دور کرتا ہے تکلیف کو اور (کس نے) بنایا ہے تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ؟ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ تم بہت کم غور وفکر کرتے ہو‘‘ (ضیاء القرآن 454/3)

پھر اس آیت کی تفسیر میں لکھا: ’’ہر شخص خواہ وہ کتنا ہی ذی جاہ وذی مال ہو اس پر زندگی میں کوئی نہ کوئی افتاد ایسی پڑتی ہے جب اُس کی ذاتی قابلیتیں، ذاتی وسائل، اس کے دوست احباب سب بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کا وہ خود اعتراف بھی کرتا ہے کہ اس گردابِ ہلاکت سے اسے اس کی کوئی تدبیر کوئی حیلہ بچا نہیں سکتا۔ اس وقت اس کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھتی ہے اور وہ یقین کرتا ہے کہ اب اس کی چارہ سازی کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ کیونکہ اس قسم کے حالات سے ہر شاہ وگدا، ہر امیر وفقیر، ہر عالم وجاہل کو واسطہ پڑتا ہے۔

اس لئے ان سے سوال کیا جا رہا ہے کہ اس وقت تو تم بھی اعتراف کرتے ہو کہ تمہارے بت، یہ معبودانِ باطل تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہے جو طوفانوں میں گھری ہوئی تمہاری کشتی کو سلامتی سے کنارے لگا دے تو پھر تم کیوں نصیحت قبول نہیں کرتے اور کیوں اس کی توحید پر پختہ ایمان نہیں لاتے حضور اکرم ﷺ نے اپنے غلاموں کو حالت اضطرار میں جس طرح اپنے مولا کریم کے سامنے دُعا کرنے کا سبق دیا وہ تحریر ہے تا کہ سب غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اس سے استفادہ کر سکیں، عن ابی بکرۃ قال رسول اللہ ﷺ فی دعاءِ المضطرّ: اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا فَلاَ تَكِلْنِی اِلٰی نَفْسِی طَرْفَهَ عَیْنٍ وَ اَصْلِحْ لِی شَاْنِی كُلَّهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ (قرطبی عن ابی داؤد الطیالسی) اے اللہ میں صرف تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ مجھے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر میرے کام درست فرما دے۔ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔‘‘ (ضیاء القرآن 455/3)

ازہری صاحب کی اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ایک سوال ہے کہ مصیبتوں سے نجات دینے والا کون ہے، اور اس کا جواب بھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور ان کے مطابق بھی رسول اللہ ﷺ نے پریشانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

اور اللہ سے دعا کی تعلیم دی۔

۳: جناب غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے لکھا:

''(بتاؤ) جب بے قرار اس کو پکارتا ہے تو اس کی دعا کون قبول کرتا ہے اور کون تکلیف کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو'' (تبیان القرآن 706/8)

ہم نے سب ترجمے اس طبقہ کے علماء سے نقل کیے جو غیر اللہ سے دعا کے قائل و فاعل ہیں، ان ترجموں سے بھی یہ بات بالکل واضح ہے کہ مندرجہ بالا آیت درحقیقت ایک سوال ہے کہ ''(بتاؤ) کون ہے جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے...... کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟''

اس سوال کا صحیح اور درست جواب کیا ہے؟ یقیناً اس کا درست جواب ہے: ''لا اِلٰـہ الا اللّٰہ'' دینِ اسلام کو ماننے والا نبی ﷺ کا ہر ہر امتی یہ کلمہ پڑھتا ہے اور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس بات کی گواہی دینا اسلام کے بنیادی ارکان میں سے اولین و اہم ترین رکن ہے۔ خود ہی سوچیے لا اِلٰـہ الا اللّٰہ کے اقرار کے بعد یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اللہ کے پیارے و مقرب بندے بھی مشکل کشا، حاجت روا اور فریاد رسا ہیں سب کی مشکل کشائی کر سکتے ہیں؟ ایسا کہنے کا مطلب یہی ہوگا کہ زبان سے تو کہہ دیا: ''لا اِلٰـہ الا اللّٰہ'' مگر اس کے مفہوم سے واقف نہ ہو سکا۔

تقلید شخصی ایک انتظامی فتویٰ ہے

جناب تقی عثمانی صاحب کے والد مفتی محمد شفیع صاحب نے کہا: ''حضرت شیخ الہند فرمایا کرتے تھے کہ تقلید شخصی کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بلکہ ایک ''انتظامی فتویٰ ہے'' جس کا حاصل یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین برحق ہیں۔ اور ہر ایک کے پاس اپنے موقف کے لئے وزنی دلائل موجود ہیں......'' (ملفوظات مفتی اعظم پاکستان ص ۲۳۹)

ابو ہاشم نوید شوکت

ڈاکٹر جلالی صاحب اور جھوٹی روایت

ہر دور میں ایسے گروہ موجود رہے جو اسلام کا نام لے کر لوگوں میں گمراہ کن نظریات پھیلاتے رہے ہیں دور حاضر میں بھی آپ کو بہت سے ایسے گروہ وافراد نظر آئیں گے جو اپنے موقف ومسلک کو ثابت کرنے کے لیے جھوٹے واقعات اور من گھڑت روایات کا سہارا لیتے ہیں، انھیں میں سے ایک جناب اشرف آصف جلالی صاحب ہیں جنھوں نے ایک جھوٹا واقعہ بیان کر کے غیر ثابت وغلط عقائد کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، ہم اس واقعہ کا مختصر سا ترجمہ اور اس کی حقیقت قارئین کے سامنے رکھتے ہیں جو درج ذیل ہے:

خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے کہا میں ابن الولید العود ہوں، میں ابن عامر وزید ہوں پھر انھوں نے مسلمانوں کے شعار کے ساتھ پکارا اور اس دن ان کا شعار: یَا مُحَمَّدَاہُ، تھا......الخ

یہ واقعہ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

۱) امام طبری نے کہا: السری نے میری طرف لکھا: عَنْ شُعَيْبٍ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ يَرْبُوعٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُحَيْمٍ قَدْ شَهِدَهَا مَعَ خَالِدٍ ...... إلخ

(تاریخ طبری ج2ص 516)

۲) امام ابن الاثیر نے اس کو بغیر سند کے الکامل میں ذکر کیا ہے۔ (ج2ص221)

۳) امام ابن کثیر نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ (البداية ج6ص 717)

اس سند میں ایک راوی شعیب بن ابراہیم کوفی مجہول ہے۔

ا: امام ذہبی نے کہا: فيه جهالة . (ميزان الاعتدال ج 3ص377)

۲: حافظ ابن حجر نے کہا: فيه جهالة . (لسان الميزان ج4ص247)

اس سند میں دوسرا راوی سیف بن عمر متروک ہے۔

ا: امام ابن حبان نے کہا: ''اتھم بالذندقه . یروي الموضوعات عن الاثبات''اس پر زندیق ہونے کا الزام ہے۔ یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کرتا تھا۔ (المجروحین ج 1 ص439)

۲: امام ابوحاتم نے کہا: ''متروك الحدیث .''

(الجرح والتعدیل ج 2 ص278)

۳: امام یحییٰ بن معین نے کہا: ''ضعیف .''

(تاریخ یحیی بن معین ، للدوري:2262)

۴: امام نسائی نے کہا: ''ضعیف'' (الضعفاء ص 123)

۵: حافظ ابن حجر نے کہا: ''ضعیف فی الحدیث و عمدۃ فی التاریخ .'' حدیث میں ضعیف ہے لیکن تاریخ میں اچھا ہے۔ (التقریب ت 2724)

تنبیہ: حافظ ابن حجر کی یہ بات کہ تاریخ میں اچھا ہے صحیح نہیں کیونکہ جو شخص احادیث میں پرواہ نہیں کرتا وہ تاریخ میں عمدہ کیسے ہوسکتا ہے؟

نیز حافظ ابن حجر کی یہ بات جمہور کے خلاف ہے۔

اس سند کا تیسرا راوی الضحاک بن یربوع ہے اس کی کسی معتبر محدث سے توثیق منقول نہیں۔ واللہ اعلم

اس سند کا چوتھا راوی یربوع ہے اور یہ بھی مجہول ہے۔

یربوع ''رجل من بنی سحیم'' سے بیان کرتا ہے اور یہ رجل بھی مجہول ہے۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ بالکل من گھڑت اور موضوع ہے۔ اور موضوع روایت کو بیان کرنا بالاتفاق ممنوع و حرام ہے، چہ جائیکہ ان سے کوئی مسئلہ اخذ کیا جائے اور خاص طور پر بریلوی حضرات کے نزدیک تو ''صحیح خبر واحد'' بھی عقیدے کے مسئلے میں حجت نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ کوئی ایک روایت صحیح پیش کردو کہ نبی ﷺ کے صحابہ نے آپ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو مدد کے لیے پکارا ہو............ اور اگر نہ کرسکو تو پھر ہرگز نہیں

کرسکو گے، لہٰذا تو اس طرح کی موضوع اور بناوٹی روایات بیان کر کے عوام کو دھوکا نہ دو۔ اس دنیا میں تو آپ سادہ لوح عوام کو گمراہ کرلو گے، لیکن آخر ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جوابدہ ہونا پڑے گا اور جلالی صاحب کی تقاریر میں تو بہت زیادہ اس طرح کی بے اصل، من گھڑت اور ضعیف روایات پائی جاتی ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ضعیف و موضوع روایات بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی بے اصل روایات سے بچائے اور صحیح احادیث کو بیان کرنے، سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین وما علینا إلا البلاغ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اقتدار

ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے عرض کیا: آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جھگڑنا چاہتے ہیں یا آپ خود کو ان کے برابر سمجھتے ہیں؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! نہیں، میں جانتا ہوں کہ بلاشبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مجھ سے زیادہ افضل اور مجھ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں، لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلومانہ طور پر قتل (شہید) کر دیا گیا اور میں ان کا چچازاد ہوں؟ میں تو محض سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کر رہا ہوں، پس آپ لوگ ان (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کے پاس جا کر عرض کریں کہ وہ قاتلین عثمان (رضی اللہ عنہ) میرے حوالے کر دیں، میں ان کی اطاعت قبول کرلوں گا۔

جب وہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اس بارے میں ان سے گفتگو کی تو انھوں نے (قاتلین عثمان) ان کے حوالے نہیں کیے۔

(تاریخ دمشق: ۵۹/ ۱۳۲ وسندہ حسن)

اس اثر سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو کہتے پھرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ محض اقتدار (خلافت) کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جھگڑے تھے۔ والعیاذ باللہ

تحقیق وتنقید

حافظ ندیم ظہیر

قرآن مجید پر اعتراضات اور ان کی حقیقت

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین و الصّلوٰۃ و السّلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

بعض لوگ قرآن مجید سے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں تاکہ اپنے ناپاک عزائم ومقاصد کو پورا کرسکیں، لیکن وہ کبھی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ رب العزت نے لے رکھا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾

''بلاشبہ ہم ہی نے یہ ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

(15/ الحجر: 9)

قرآن مجید پر اعتراضات اگر یہود ونصاریٰ کرتے تو اس قدر حیرت نہ ہوتی کیونکہ ان کی اسلام دشمنی معلوم ہے لیکن اسلام کے نام لیوا یہ حرکت کریں گے!!! اس پر حد درجہ حیرت ہوئی۔ ایک بھائی کے ذریعے سے مجھ تک ''ماہنامہ دقائق اسلام سرگودھا'' پہنچا جس میں آفتاب حسین الجوادی نامی شخص نے قرآن مجید کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے۔ درج ذیل سطور میں ہم انھی اعتراضات کی حقیقت واضح کریں گے۔ ان شاءاللہ

۱) اعتراض: ''حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ میں نے قرآن مجید میں ان اغلاط'' ان هذان لساحران '' ۔'' المقیمین الصلوٰۃ و المؤتون الزکاۃ'' اور'' والذین هادوا والصابئون'' کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ اے بھانجے یہ کاتبوں نے کیا ہے، انہوں نے قرآن میں غلطیاں کی ہیں۔''

(دقائق اسلام ص23، اگست 2014ء)

حقیقت:

۱۔ مذکورہ روایت میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' سألت عائشة عن

لحن القرآن ." یعنی میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لحنِ قرآن کے بارے میں پوچھا۔

جوادی صاحب نے محض مطلب برآری کے لیے یہاں لحن کا معنی ''اغلاط'' کیا ہے، بالخصوص جب قرآن، حدیث اور لغت میں اس سے لہجہ، انداز، اسلوب اور لغت وغیرہ بھی مراد ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ لَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِیۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ﴾ ''اور آپ انھیں بات کے انداز سے ضرور ہی پہچان لیں گے۔'' (47/ محمد : 30)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ و اللَّحْنَ وَ السُّنَنَ كَمَا تَعَلَّمُوْنَ الْقُرْآنَ "

علمِ میراث، لحن اور سنتیں اس طرح سیکھو جس طرح تم قرآن سیکھتے ہو۔

(سنن الدارمي : 2892 وسنده صحيح)

امام ابن اثیر رحمہ اللہ (متوفی 606ھ) اس روایت میں " لحن " کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں: " يُرِيْدُ: تَعَلَّمُوا الْعَرَبَ بِإِعْرَابِهَا . " آپ (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) کی مراد یہ ہے کہ عربی لغت اس کے اعراب سمیت سیکھو۔

(النهاية في غريب الحديث والأثر ص 1089)

۲۔ اور اگر اس سے کسی نے خطا مراد لیا تو اعرابی خطا ہی لیا ہے، جیسا کہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: " وَ اللَّحْن ...... الخطأ فى الإعراب " (حوالہ مذکورہ)

لیکن جوادی صاحب " اغلاط " لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ قرآن مجید میں ہر قسم کی غلطیاں ہیں۔ والعياذ بالله

۳۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو سورۂ فرقان پڑھتے سنا، مگر ان کی قراءت میری قراءت سے مختلف تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورت پڑھائی تھی۔ قریب تھا کہ میں (روکنے میں) ان پر جلدی کرتا لیکن میں نے انھیں مہلت دی حتیٰ کہ وہ فارغ ہوئے، پھر میں نے اپنی چادر ان کی گردن میں ڈال کر

انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے انھیں سورۂ فرقان پڑھتے سنا ہے اور یہ اس کے خلاف پڑھتا ہے جو آپ نے مجھے پڑھائی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ((اقْرَأْ)) ''پڑھو۔'' چنانچہ انھوں نے اسی قراءت میں پڑھا جو میں نے ان سے سنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((هٰكَذَا أُنْزِلَتْ)) ''اسی طرح نازل کی گئی ہے۔'' پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: ((اقْرَأْ)) ''پڑھو'' تو میں نے بھی (وہ سورت) پڑھی۔ آپ نے فرمایا: ((هٰكَذَا أُنْزِلَتْ)) ''اسی طرح نازل کی گئی ہے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ((إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ)) ''بلاشبہ یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، لہٰذا اس میں سے جو آسان لگے پڑھ لو۔''

(صحيح البخاري : 2419 ، صحيح مسلم: 818 ، سنن أبي داود :4175 واللفظ له)

یہ حدیث دلیل ہے کہ قرآن مجید سات قراءتوں میں نازل ہوا اور ان میں سے جس قراءت میں بھی پڑھا جائے وہ بالکل صحیح ہے۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ ہر قراءت کا ہر صحابی کو علم نہیں تھا، اسی لیے سیدنا عمر اور سیدنا ہشام رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف ہوا تھا اور جس روایت کو جوادی صاحب نے بطور اعتراض نقل کیا ہے اس میں بھی قراءتوں ہی کا اختلاف ہے۔ بعض قراءتوں میں " ان هذان لساحران " ہے تو بعض میں " ان هذين لساحران " ہے جو ((فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ)) کی رُو سے بالکل درست ہیں۔

نیز دیکھئے صحیح مسلم (1904/820) وغیرہ۔

۴۔ رہا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول " اخطأوا فی الکتاب " تو اس کی توجیہ درج ذیل ہے:

❊ جس طرح بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیگر قراءتوں سے واقف نہیں تھے، اسی طرح بعض قراءتوں کا علم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مخفی رہا جس بنا پر انھوں نے اسے خطا قرار دیا، جبکہ سات قراءتیں ثابت اور متواتر ہیں۔ والحمد للہ

* سات قراءتوں میں سے سب سے اولیٰ قراءت کا انتخاب نہ کرنے پر انتخابی خطا قرار دیا۔ (الإتقان 184/1)

* عدمِ علم کے ذریعے سے معلوم اور ثابت شدہ امور کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی کے عدم علم کو بطور اعتراض و دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ جوادی صاحب کے ہم مسلک کاشانی صاحب لکھتے ہیں: ''جن روایات سے یہ وہم ہو کہ قرآن مجید میں تحریف، حذف یا تغیر و تبدل ہوا ہے تو ان کی تاویل و توجیہ کرنی چاہیے، اگر ان روایات کی تاویل و توجیہ نہ ہو سکے تو ان کو مسترد کر دینا چاہیے۔''

(منهج الصادقين 48,47/1)

۶۔ جس اسلوب یا رسم الخط میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن مجید تحریر فرمایا، اس پر اجماع ہے، اس لیے اس کی پابندی لازم قرار دی گئی اور آج تک مشرق و مغرب میں جہاں جہاں قرآن مجید کے نسخے لکھے جا رہے ہیں وہ اسی رسم الخط میں لکھے جا رہے ہیں، لہٰذا اس اجماع کے بعد بھی مذکورہ اعتراض مردود ہو جاتا ہے۔

جوادی صاحب کے ہم مسلک سید ابو القاسم الموسوی لکھتے ہیں: ''ہم آگے چل کر یہ بات بھی واضح کریں گے کہ حضرت عثمان نے جس قرآن کو جمع کرنے کا اہتمام کیا تھا وہ عیناً وہی قرآن تھا جو مسلمانوں میں رائج تھا اور حضرت رسول کریم (ص) کے زمانے سے دست بہ دست ان تک پہنچا تھا۔ اس لیے تحریف زیادتی و کمی کی صورت میں اگر واقع ہوئی ہے تو ان قرآنوں میں واقع ہوئی تھی جو حضرت عثمان کے زمانے کے بعد ختم ہو گئے تھے اور اس وقت جو قرآن ہمارے ہاتھ میں ہے، اس میں نہ کوئی کمی ہے اور نہ کوئی زیادتی۔''

(البیان فی تفسیر القرآن ص198، مترجم محمد شفا نجفی)

۷۔ یہ روایت تاريخ المدينة لابن شبة (ص 1014,1013 وسنده صحيح) میں مذکور ہے۔

۲) اعتراض: جوادی صاحب نے لکھا: ''مشہور تابعی مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

بن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستأنسوا میں کاتبوں نے غلطی کر دی۔ امام حاکم نیشاپوری اور علامہ ذہبی دونوں اس روایت کے ذیل میں بالاتفاق لکھتے ہیں: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين "یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔"

(ملاحظہ ہو! المستدرك مع التلخيص للذهبي ج2 ص 396 طبع حیدر آباد دکن)"

(دقائق اسلام ص 24)

حقیقت: ا۔ اس روایت سے استدلال جائز نہیں کیونکہ یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ اس میں ایک بنیادی علت پائی جاتی ہے:

* سفیان الثوری مدلس ہیں اور سماع کی صراحت بھی نہیں، لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جوادی صاحب خود لکھتے ہیں: "قاعدہ: اصول حدیث کے تحت یہ روایت "معنعن" ہے جو ناقابل قبول ہوتی ہے۔" (دقائق اسلام ص 25)

۲۔ مذکورہ بنیادی علت کے باوجود امام حاکم اور امام ذہبی کا اسے صحیح کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ جب تک یہ علت موجود ہے یہ روایت ضعیف ہی رہے گی۔

۳۔ اس روایت کے دیگر شواہد و طرق درج ذیل ہیں:

* تفسير ابن أبي حاتم (2566/8) میں اس کی سند "عن علي بن أبي طلحة عن ابن عباس" ہے اور یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ علی بن ابی طلحہ کی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مرسل ہوتی ہے۔

دیکھئے جامع التحصیل للعلائی (542) میزان الاعتدال (1334/3) وغیرہ۔

* شعب الإيمان للبيهقي (209,208/11) میں ایک سند اس طرح ہے: "أخبرنا أبو نصر أخبرنا أبو منصور حدثنا أحمد، حدثنا سعيد، حدثنا أبو عوانة ...... إلخ" لیکن یہ سند ابو نصر کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام بیہقی کے اس شیخ کا نہ تو تعین ہے اور نہ حالات ہی ملے ہیں۔

* شعب الإيمان (210/11) ہی میں دوسری سند ہے جو یعقوب بن اسحاق المخرمی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ ہیثمی نے اسے مجہول کہا ہے۔ (مجمع الزوائد 93/19) اور بعض نے ضعیف بھی قرار دیا ہے۔

دیکھئے: ارشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (ص696)

اس وضاحت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جوادی صاحب نے محض اعتراض کرنے کے لیے اتنی محنت کی ہے ورنہ اس سے کسی صورت استدلال نہیں ہوسکتا، کیونکہ ضعیف روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔

۳) اعتراض: ''حضرت عبداللہ بن مسعود قرآن مجید کی آخری دونوں سورتوں کے منکر تھے چنانچہ عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں: ابن مسعودؓ اپنے مصاحف میں سے معوذتین کو مٹاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) میں سے نہیں ہیں۔'' (دقائق اسلام ص24)

حقیقت: جوادی صاحب نے جو اعتراض کیا ہے وہ صحيح البخاري (4977) میں بھی اشارتاً موجود ہے، لیکن سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دو سورتوں کے منکر قطعاً نہیں تھے کیونکہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ایمان تھا کہ یہ دونوں سورتیں اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں لیکن انھیں اپنے مصحف میں برقرار رکھنے سے کیا چیز مانع تھی وہ درج ذیل ہے:

* آپ یہ سمجھتے تھے کہ محض دم کے لیے یہ سورتیں نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ خود جوادی صاحب نے بھی اقرار کیا ہے۔ دیکھئے دقائق اسلام (ص24)

* آپ نے نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سورتوں کی تلاوت کرتے نہیں سنا تھا۔

(مسند أحمد 130/5 ح21189) اور یہ محض عدمِ علم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خود ان سورتوں کو نماز میں پڑھا (مسند أحمد 149/4 ح17483 وسنده حسن) بلکہ انھیں پڑھنے کا حکم بھی دیا۔ دیکھئے مسند أحمد (25/5 ح20284 وسنده حسن)

اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد کی وجہ سے قرآن کی حقانیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ تدبر جدًا

قارئین کرام! سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ سورتیں ہی سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے پہلے ان دونوں سورتوں کو اپنے مصاحف میں لکھا تھا، جیسا کہ جوادی صاحب نے بھی لکھا: ''ابن مسعودؓ اپنے مصاحف میں سے معوذتین کو مٹاتے تھے۔'' (دقائق اسلام ص24)

کیونکہ اگر لکھا نہ ہوتا تو مٹاتے ہی کیوں؟

دوسرا یہ کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو باقاعدہ جمع کر لیا گیا اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا تو اس کے بعد معوذتین کو مٹانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، گویا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی جمہور کے موقف میں شامل ہو گئے تھے۔

فرض محال اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آخر تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی موقف تھا تو یہ عدم علم کی بنا پر تھا نہ کہ جوادی گروپ کی طرح ہٹ دھرمی!!!

واضح رہے کہ عدم علم کی وجہ سے نہ تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شخصیت مجروح ہوتی ہے اور نہ قرآن مجید کی صداقت ہی پر کوئی زد پڑتی ہے۔

۴) اعتراض: ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بلاشبہ آیت رجم اور آیت رضاعت کبیر بڑے آدمی کو دس دفعہ دودھ پلانے کے متعلق آیتیں نازل ہوئی تھیں ایک کاغذ میں لکھی ہوئی میرے گھر سرہانے کے نیچے پڑی تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو ہم اس سلسلہ میں مصروف ہو گئے۔ ایک بکری گھر میں داخل ہوئی اور ان کو کھا گئی۔''

(دقائق اسلام ص25)

حقیقت: یہ روایت پیش کر کے جوادی صاحب یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اگر مذکورہ آیتیں بکری کھا گئی ہے تو اس سے قرآن میں کمی ہو گئی۔ والعیاذ باللہ

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن آیات کا ذکر کیا ہے وہ باجماع امت وہ آیتیں ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی، بلکہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی

ان آیات کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی قائل ہیں، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
"كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ: عَشْرُ رَضَعَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ فَتُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَ هُنَّ مِمَّا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ" اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پہلے یہ نازل کیا تھا کہ دس رضعات سے حرمت ثابت ہوتی ہے، پھر اسے پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو یہ الفاظ (آخر میں منسوخ ہونے کی وجہ سے) قرآن میں قراءت کیے جاتے رہے تھے۔

(صحيح مسلم: 1452، سنن أبي داود:2062 واللفظ له)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "يُقرأ و معناه: أن النسخ بِخَمس رضعات تأخّر إنزالُه جدًّا حتى إنه ﷺ تُوفي و بعض الناس يقرأ خمس رضعات." یعنی پانچ رضعات کی قراءت بالکل آخری وقت میں منسوخ ہوئی حتیٰ کہ (اس کے بعد جلد ہی) نبی ﷺ وفات پا گئے (یہی وجہ ہے کہ سب کو معلوم نہ ہونے کی بنا پر) بعض لوگ خمس رضعات کی قراءت کرتے رہے۔ (شرح النووی 35/4)

یہ حدیث دلیل ہے کہ جس روایت کو بطور اعتراض جوادی نے پیش کیا اس میں مذکور آیات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک بھی منسوخ تھیں اور پوری امت کے نزدیک بھی، لہٰذا منسوخ التلاوۃ آیات کو بکری کے کھا جانے سے قرآن مجید کی حقانیت وصداقت اور اکملیت پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ وللہ الحمد

اگر یہ آیات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک قرآن مجید کا جز ہوتیں تو وہ آیات کم از کم آپ کو یاد تو تھیں، لہٰذا بعد میں قرآن کریم کے نسخوں میں درج کرا دیتیں لیکن آپ نے ساری عمر ایسی کوشش نہیں کی جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک بھی یہ آیات محض ایک علمی یادگار کی حیثیت رکھتی تھیں اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں تھا۔

۵) **اعتراض:** "نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن پا لیا ہے، اُسے کیا خبر پورا قرآن کس قدر

ہے! بلاشبہ بہت سا قرآن ضائع ہو گیا ہے، البتہ یہ کہنا چاہیے کہ قرآن میں سے جو کچھ موجود ملا، میں نے اسے لے لیا۔'' (دقائق اسلام ص25)

حقیقت: اس روایت کو امام ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ (متوفی 224ھ) نے اپنی کتاب فضائل القرآن (ص320) میں نقل کیا ہے اور اس روایت پر بایں الفاظ باب قائم کرتے ہیں: ''بَابُ مَا رُفِعَ مِنَ القُرآن بعد نُزوله ولم يُثْبَتْ فِي المَصَاحِفِ'' یعنی نزول قرآن کے بعد اس میں سے جو منسوخ کر دیا گیا اور وہ (موجودہ) صحیفوں میں نہیں ہے۔

جسے جوادی صاحب جیسے لوگ ''ضائع'' کہہ رہے ہیں اسے تیسری صدی ہجری کے محدث منسوخ سے تعبیر کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ جوادی وغیرہ کی نسبت سلف اور صاحب کتاب ہی کی بات کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔

یہاں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسے لوگوں کا زبردست رد کیا ہے جو آیت رجم و رضعات کی قراءت کو منسوخ نہیں سمجھتے بلکہ الٹا ان کی وجہ سے قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات سمجھا دی کہ جس کی قراءت منسوخ ہو گئی وہ قرآن نہیں، اب محض یہی قرآن ہے جو موجود (اور غیر منسوخ) ہے اور امت کا اسی پر اجماع ہے۔

۶) **اعتراض:** جوادی صاحب نے لکھا: ''بخاری کے استاد حافظ اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل کے مقلدین حنابلہ کے نزدیک قرآن مجید تیس کے بجائے چالیس پارے کا ہے چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں: اقل یجزی من القراة فی کل یوم و لیلة جزء من اربعین جزأ من القرآن وهو منقول عن اسحاق بن راهوية والحنابلة. ''جتنا ہو سکے قرآن کی تلاوت کریں برخلاف اس کے جو اسحاق ابن راہویہ اور حنبلیوں سے منقول ہے کہ کم از کم قرآن کی تلاوت اتنی کافی ہے کہ ہر روز و شب چالیس پاروں میں سے ایک پارہ پڑھا کریں'' (دقائق اسلام ص27)

حقیقت: ہر دور میں حنبلی حضرات کا وجود رہا ہے لیکن آج تک کسی نے قرآن کے چالیس

پاروں کا دعویٰ نہیں کیا، لہٰذا یہ جوادی کا صریح جھوٹ ہے، مذکورہ عبارت سے بھی زبردستی چالیس پاروں کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے کیونکہ جزء کا معنی ہر جگہ پارہ نہیں ہوتا بالخصوص زیر بحث عبارت میں تو قطعاً نہیں ہے، جیسا کہ سیاق سے واضح ہے۔ اگر امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ وغیرہ کا مقصود پارہ ہوتا تو وہ محض یہ فرما دیتے کہ روزانہ ایک پارے کی تلاوت کی جائے، لیکن یہ ان کا مقصود تھا ہی نہیں، اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ دن رات میں قرآن مجید کے چالیسویں حصے کی تلاوت کی جائے۔

مزید درج ذیل حدیث پر غور کریں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ اللّٰـــهَ جَـزَّأَ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ فَجَعَلَ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ جُزْءًا مِنْ أَجْزَاءِ الْقُرْآنِ))
''اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین اجزاء (حصے) کیے ہیں اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰـهُ اَحَدٌ﴾ کو قرآن کے اجزاء میں سے ایک جز قرار دیا ہے۔'' (صحیح مسلم:811)

اگر جوادی صاحب کے ترجمے کو صحیح مانا جائے تو اس حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہوگا:
''اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تین پارے بنائے اور ان میں سے سورۂ اخلاص کو ایک پارہ''
والعیاذ باللّٰہ

لیکن جوادی صاحب کا ترجمہ غلط ہے، لہٰذا صحیح وہی ہے جو ہم نے حدیث کے متصل بعد کر دیا ہے۔

قارئین کرام! جوادی صاحب کی اس حرکت سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن دشمنی میں یہ لوگ کس حد تک بڑھے ہوئے ہیں کہ مطلب برآری کے لیے ترجمہ بھی غلط کر دیتے ہیں۔
واللّٰہ المستعان

اللہ رب العزت ایسے لوگوں کے شر سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔ آمین

الحاصل: جب جوادی صاحب کے تمام اعتراضات باطل و مردود ٹھہرے تو اس سے انھوں نے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ خود بخود ا کارت ہو گئے کیونکہ جس بنیاد پر انھوں نے اعتراضات کی عمارت کھڑی کی تھی وہ بنیاد ہی بودی ثابت ہو گئی ہے۔

ابوالحسن انبالوی

ظہور احمد حضروی کے تناقضات...... پر ایک نظر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله الأمین، أما بعد:

ظہور صاحب تناقض (۹) کے تحت لکھتے ہیں: ''ایک راوی شہر بن حوشب کے بارے میں زبیر علی زئی لکھتا ہے: میری تحقیق میں یہ راوی حسن الحدیث ہے۔ (الحدیث: ۱۷/ ۲۵)

نیز لکھتا ہے کہ: میری تحقیق میں جمہور محدثین نے اسے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے، لہٰذا وہ حسن الحدیث ہے۔ (ایضاً: ۲۲/ ۵)

لیکن دوسری طرف جب انہی شہر بن حوشب نے ''ترک رفع یدین'' کے متعلق حدیث روایت کی تو زبیر علی زئی نے اُس کی اِس روایت کے رد میں یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ: اس روایت کے شہر بن حوشب پر کافی کلام ہے۔ دیکھئے: تہذیب وغیرہ (نور العینین ص ۲۱۱)''

تبصرہ: ظہور صاحب کو محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا تناقض بنانے کے لیے کس قدر پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں وہ ان کی تحریر سے عیاں ہے۔ اصول حدیث کا عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ کسی راوی پر محض کلام اس کے ضعف کی علامت نہیں اور شیخ محترم رحمہ اللہ کی تحریریں پڑھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ آپ رد کے لیے صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ اس راوی پر کلام ہے بلکہ جب دلائل سے ثابت کر لیتے ہیں کہ وہ راوی ضعیف ہے تب اسے بطورِ رد پیش کرتے ہیں۔ نور العینین میں شہر بن حوشب کو ضعیف بتانا مقصود نہیں ہے، جیسا کہ اس کے جدید ایڈیشن (ص ۲۹۶) میں شیخ محترم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس روایت کے ایک راوی شہر بن حوشب پر کافی کلام ہے لیکن قولِ راجح میں وہ حسن الحدیث ہے کیونکہ وہ جمہور کے نزدیک موثق ہے۔ عرض ہے کہ اس میں رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع الیدین کے ترک کا کہاں ذکر ہے؟ خواہ مخواہ عدمِ ذکر والی روایت کو ذکر کر کے اپنی کتاب کا حجم بڑھا دینا کون سے دین کی خدمت ہے؟'' اس تحریر سے واضح ہو جاتا ہے کہ بلاشبہ شہر بن حوشب پر کلام

ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن چونکہ جمہور نے ان کی توثیق کر رکھی ہے، لہٰذا بعض کے کلام کے باوجود شہر بن حوشب حسن الحدیث ہیں۔ ع اب کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

ظہور صاحب کی اس طرح کی بے ڈھنگی باتوں سے ان کی مزید ''بے عزتی'' خراب ہو رہی ہے اور عام لوگوں پر بھی ان کی حقیقت منکشف ہو رہی ہے کہ محض بغض اہلِ حدیث میں وہ اس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ شہر بن حوشب کا دفاع کرنے والوں میں حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ سرفہرست ہیں تو بے جا نہ ہوگا بلکہ انھوں نے اپنی نگرانی میں ''عون الرب فی توثیق شہر بن حوشب'' کے عنوان سے مضمون لکھوایا، پھر اسے ماہنامہ الحدیث میں شائع بھی کیا جس میں تقریباً پچیس علماء ومحدثین سے توثیق پیش کی گئی ہے اور ان کے بارے میں جو متعارض وغیر ثابت اقوال زبان زدِ عام تھے ان کی حقیقت بھی واضح کی گئی ہے۔ شہر بن حوشب پر بعض ایسے الزامات تھے جن کا کوئی ثبوت صحیح سند کے ساتھ موجود نہیں، مثلاً ان پر چوری کا الزام وغیرہ، اس الزام کی مکمل تحقیق کرنے کے بعد ان کو اس الزام سے بری قرار دیا گیا۔

الغرض محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ اپنی تحریروں میں ہر اعتبار سے شہر بن حوشب کا دفاع کرتے رہے ہیں، باقی رہا کہ ان پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے تو اس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں، لیکن اس کلام کا یہ مطلب نہیں کہ ابن حوشب ضعیف ہیں۔

خلاصۂ بحث: شہر بن حوشب، حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے نزدیک ثقہ، صدوق وحسن الحدیث راوی ہیں اور اس میں کوئی دورائے نہیں، لہٰذا ظہور صاحب کا محض ''کلام'' کی بنا پر شیخ محترم رحمہ اللہ کا تناقض قرار دینا ان پر صریح بہتان ہے جس کا ظہور صاحب کو عند اللہ جواب دینا پڑے گا۔ (ان شاء اللہ)

آپ کے ''محقق'' ظفر عثمانی صاحب نے کتنے ہی راویوں کو مختلف فیہ ومتکلم فیہ تسلیم کر کے انھیں حسن الحدیث قرار دیا ہے۔ دیکھئے اعلاء السنن (۱/ ۲۶، ۱/ ۱۶۰، ۱/ ۳۰۱) وغیرہ۔

تو کیا ظہور صاحب اسے بھی تناقض قرار دیں گے؟ آہ! شرم مگر تم کو آتی نہیں